ناولٹ

شازیہ الطاف ہاشمی

# زرد رتوں کا چاند

www.zoftime.com

وہ پورے چاند کی رات تھی ہر طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی ایسے میں چھوٹے چچا کی فیملی خوش گپیوں اور کھانے پینے میں مشغول تھی۔

چھوٹے چچا ایسے امیر کبیر بھی نہیں تھے مگر ان سب کے چہروں پر رعب اور اعتماد ضرور تھا۔ ایسا اعتماد حور جہاں کو میسر نہیں تھا۔ چچا کی ساری بیٹیوں کے درمیان صرف اسی نے سر پر دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا ورنہ باقی سب کزنز، دوپٹہ اتار کر سائیڈ پہ کر کے یا پھر گلے میں لٹکا کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں آ جا رہی تھیں۔ ان کے چلنے پھرنے کھانے پینے سب میں اک خاص ادا تھی دل کو لگتی ہوئی سی۔ رانیہ اور سحر اسی کی ہم عمر تھیں مگر نصیب ایک جیسے نہیں تھے، اس لیے بات چیت بھی نہ ہوئی، وہ ڈری سہمی اس سارے ماحول سے الگ دکھائی دینے والی سب سے الگ ہی بیٹھی ہوئی تھی موسم اچھا خاصا خوش گوار تھا۔

رعب داب والے چچا مصطفیٰ کرسی پر بیٹھے ٹیبل پر دھرے کھانے سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے پھر برتن اٹھانے کی باری آئی تو چچی شائنہ کے بجائے وہ خود ہی اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی تھی اور کسی نے منع بھی نہیں کیا۔ کچھ نہ کچھ اعتماد بحال ہوا تھا۔ اس گھر میں اس کا کوئی درجہ تھا بھلے کچن میں برتن رکھے جانے کا ہی سہی اسد، معاذ، رانیہ اور سحر سارے مل کر لڈو کھیل رہے تھے۔ خوب شور ہو رہا تھا..... بس اسی شور اپنے پن محبت کی اسے بھی ضرورت تھی۔

نظر انداز کی گئی اولاد میں ایک خانہ ہمیشہ خالی رہ جاتا ہے محبت کے اس خانے کو اسے بھی بھرنا تھا مگر نہ ماں نے کوئی توجہ دی نہ باپ نے۔ جب سے ابا نے دوسری شادی کی تھی وہ اس سے جان چھڑاتے پھر رہے تھے، کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر مارتے رہتے یا پھر کوسنے کا سلسلہ شروع رہتا۔ نویں سے ہی تعلیمی سلسلہ ختم ہو گیا تھا۔

ماں خود تو مر گئی جاتے جاتے اسے بھی زندہ دفن کر گئی تھی۔

ٹیچر نے کتنا کہا تھا حور جہاں بہت ذہین ہے بہت آگے جائے گی مگر ابا نے کسی کی نہیں سنی حور جہاں کو بہت پیچھے دھکیل دیا تھا۔

نئی امی سے اس کا ایک بھائی بھی پیدا ہو گیا تھا۔ امی اور ابا دن رات اسی کے مستقبل کے منصوبے بناتے رہتے۔ اس کے لیے یہ خریدیں گے۔ اسے وہ دلائیں گے، ایسے کپڑوں میں ایسا لگے گا تو ویسے کپڑوں میں سب سے الگ، اسی کے لیے پیسہ جوڑتے اور اسی کے لیے خواب دیکھتے۔

وہ نہ کسی کے خواب میں آئی نہ کسی نے اس کے لیے خواب دیکھے، ایسے بے خوابی، بے بسی کے دنوں میں جب ابا اپنے چھوٹے بھائی مصطفیٰ سے ملنے جانے لگے تو ساتھ وہ بھی تیار ہو گئی تھی۔ آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ تھکے تھکے سے ابا نے اسے دیکھا اور شاید شکر ادا کیا۔

"ابا! میں بھی چلوں۔" امی نے اسے جس نظر سے دیکھا تھا۔ مطلب صاف تھا کہ چند روز کے لیے ہی سہی اس کام بگاڑنے والی منحوس سے چھٹکارا ملے تو سہی انہیں تنہائی کی ضرورت تھی بھلے چار چھ دن کی ہی کیوں نہ ہو۔ ابا اور امی نے نہ اس کے کپڑے دیکھے نہ جوتوں پر نگاہ کی۔ ایک میلے سے دوپٹے میں لپٹا اس کا کمزور سا وجود ان کے ساتھ بس میں سوار ہو گیا تھا۔ امی بھائی کو سینے سے چمٹائے اندر چلی گئی تھیں۔ رواں دواں بس میں اس کے کافی سارے الجھے خیال سلجھ گئے تھے۔

"دنیا کتنی بڑی ہے اس میں ایک ذرا سی جگہ میرے لیے ہی نہیں ہے۔"

ابا نے جاتے وقت دس روپے بھی اسے نہیں دیے تھے۔ انہیں بس اپنی محبوب بیوی کے پاس جانے کی جلدی تھی اور بیٹے کو پیار کرنے کی شدید تمنا تھی کاش امی کے ساتھ میں بھی مر جاتی۔ اس نے وہاں کچھ دن رہنے کی بات کی تو ابا نے چچا کے جواب کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔ بس ہامی بھر کر چلے گئے تھے۔

چچا مصطفیٰ نے اپنے گھر کے آنگن میں کھڑی

www.zemtime.com

ملازمہ نما بھتیجی کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ ایسے جیسے کوئی گھر میں آیا ہی نہ ہو بھلا وہ بھی کوئی مہمان تھی۔ ویسے بھی وہ دونوں بھائی کم اور دور پرے کے انجان رشتہ دار زیادہ لگتے تھے۔ سالوں سے مصطفیٰ چچا کو اس نے نہیں دیکھا، نہ آنا نہ جانا۔ اب بھی ابا جائیداد میں سے اپنا رہ جانے والا حصہ لینے ہی آئے تھے یہ مسئلہ حل ہوا کہ نہیں، اسے نہیں معلوم ہو سکا۔

چچی سے کھانا اس نے خود ہی جا کر کچن میں لے لیا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوش نہ ہوئی تھیں تو بے نقط سنائی بھی نہ تھیں۔ اتنا ہی بہت تھا۔ شائنہ چچی نے جب شام میں ہوم ورک کے بعد بچوں کو ٹی وی دیکھنے کی اجازت دی تب وہ بھی ایک کونے میں نیچے صوفے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی۔ بہت ہی مزے دار انگلش مووی تھی جو دنیا سے بے خبر کر دیتی تھی۔ ایک الگ ہی رنگین دنیا کی کہانی وہ اس انہماک سے پہلی بار دیکھ رہی تھی، ورنہ گھر میں تو امی کا بس چلتا تو اس سے ہمسایوں کے گھر کا کام بھی کروانے لگتیں۔

"یہ فارغ بیٹھی رہتی ہے، مصروفیت رہے گی چلو۔"

یہاں شیطان کی آنت کی طرح کے کام نہیں تھے ٹی وی دیکھنے کے بعد سب نے کتابیں نکال لی تھیں، کوئی فرسٹ ایئر میں تھا کوئی لاسٹ ایئر میں سب ہی کاغذ قلم کتابوں میں مصروف ہو گئے تھے۔

وہ چپ چاپ بس انہیں دیکھ رہی تھی۔ کتابوں کی خوشبو تو اسے بھی بہت پسند تھی مگر کچھ چیزیں ہماری قسمت میں نہیں ہوا کرتیں۔ ہم چاہ کر بھی نصیب سے زیادہ نہیں لے سکتے۔ اس نے اتنی سی عمر میں زمانے کی ٹھوکریں کھائی تھیں جتنی ان میں سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچی تھی جتنی اسے پہنچی تھی۔

صبح اچار کے ساتھ پراٹھا تھا۔ دوپہر چاولوں کے ساتھ رائتہ عجیب بے فکرے سے دن تھے نہ لعنت نہ پھٹکار۔

وہ آتے جاتے سب کو دیکھتی رہتی۔ چچی نے خود ہی رانیہ کا پرانا سوٹ اسے نکال کر نہانے کا کہہ دیا تھا۔ اتنے کھلے پانی میں صابن کے ساتھ نہاتے ہوئے یہ پہلا دن تھا۔ ورنہ وہ بھیگ بھیگ کر بساند زدہ کپڑے ہی پہنے پھرتی اور پھر ابا کہتے کہ یہ پاگل ہے اسے بو محسوس ہی نہیں ہوتی۔

نہا دھو کر اسے کافی حوصلہ ملا تھا۔ پرانا سوٹ بھی اس نے سرف سے دھو لیا تھا۔ جوتے رانیہ کے پہن لیے تھے۔ کاش میرے والدین بھی میرا ایسا ہی خیال کرتے۔ میں نے کون سا شہزادی بننے کے خواب دیکھے تھے بال بنا کر وہ سب سے ذرا دور ہو کر بیٹھی تھی۔

اسے چچا مصطفیٰ سے کوئی انسیت محسوس نہ ہوتی تھی نہ چچا والے لاڈ انہوں نے کیے نہ وہ بھتیجی بن کر ان سے لپٹی۔ وہ اسے ایک حد میں رکھ رہے تھے۔

شام کی محفل اپنے عروج پر تھی۔ چاند کی روشنی میں سب کے چہرے کچھ کچھ واضح ہو رہے تھے۔ بجلی گئی ہوئی تھی۔ لیکن موسم خوش گوار تھا۔

"رانیہ، سعدیہ لو بھئی سنو، میں حور جہاں سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔"

حور جہاں کا ڈرا ہوا دل اس ذرا سی ہنسی میں بھی دھڑک اٹھا تھا۔ کوئی اس کے لیے مسکرا بھی سکتا ہے۔ چچا مصطفیٰ کے لبوں کے کناروں میں ہلکی ہنسی دبی تھی۔ سب اسی کی طرف متوجہ تھے چچی شائنہ بھی اسے دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔

"حور جہاں ہمیں نماز سنائے گی۔" ہر طرف قہقہے گونج اٹھے تھے۔

وہ سولہ سترہ سال کی تھی اور اس سے نماز سنی جا رہی تھی۔ چچا جان اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور پوری توجہ سے اپنے اندازے کے درست ہونے کا انتظار کر رہے تھے کہ حور جہاں کو نماز بھی نہیں آتی سب کی بھرپور توجہ تھی اس پر۔ وہ سمجھے تھے کہ حور جہاں کو نماز بھی نہیں آتی ہوگی وہ سمجھی کہ چچا اسے اپنے بچوں کی طرح آئس کریم کا چھوٹا کپ دلوائیں گے یا پھر کوئی پیار بھری بات۔ انہوں نے اسے بیچ مجمع کے ذلیل کرنے کی کوشش کی تھی۔



www.zemtime.com

اس نے ڈرتے ڈرتے سارے سوالوں کے جواب دیے۔ اور نماز بھی پوری سنا دی تھی۔ چچا کو مایوسی ہوئی تھی، وہ جس طرح کا مزاح پیدا کرنا چاہ رہے تھے ایسا نہیں ہوا تھا۔

البتہ پاس بیٹھا اسد بول پڑا تھا۔

"پاپا! یہ بہت ذہین ہے، اسے کافی کچھ آتا ہے" مگر چچا نے نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ اس کا امتحان لینا جاری رکھا اور ہر مقام پر اس لاوارث بھتیجی کو نیچا دکھانا چاہا تھا مگر ناکام ٹھہرے تھے۔ اسے ابا کا انتظار تھا ابا نے مڑ کر اس کی خبر نہ لی تھی ادھر بھی اس نے اپنی مرضی سے برتن مانجھے اور دیگر چھوٹے موٹے کام کیے تھے مگر دوبارہ چچا کی جھوٹی ہنسی کا دھوکا نہیں کھایا تھا ان کی مسکراہٹ سچی نہیں تھی اس نے جان لیا تھا۔ کبھی کبھی کچھ ایسے رشتے بھی ہوتے ہیں اور ان میں نہ محبت نہ احساس کچھ بھی نہیں ہوتا۔

☆☆☆

وقت کافی گزر گیا تھا اس کا بھی گزر گیا تھا۔

ایک دن جب وہ کچن اچھی طرح چمکا کر نکلی تھی تو دوپٹے سے اپنے ہاتھ صاف کرتے اس نے چچی شائنہ کو آتے دیکھا تھا لیکن ان کے ساتھ ان کی بہو شیزا معاذ کی بیوی نہیں تھی۔ وہ کھاتے پیتے کی لڑکی تھی اسے کسی کی پروا نہیں تھی وہ چچا کے بھی ہوش ٹھکانے لے آئی تھی اور معاذ وہ بیوی کی سائیڈ لیتا تھا اور اس کے ہاتھوں میں کھیلتا تھا یہ صورت حال دیکھ کر اسد نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ کسی اونچے خاندان کا داماد نہیں بنے گا۔ شائنہ چپ ہو گئی تھیں۔

معاذ کی بیوی شیزا نے ان کا بہت ہی برا حال کیا تھا۔ کتنے ارمانوں سے یہ گڈے گڈی کا کھیل سجایا تھا مگر اس میں آگ لگ گئی تھی۔

چچا مصطفیٰ نے آج وہ سنا تھا جو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔

"اگر حور جہاں دل کو لگے تو ٹھیک ہے۔" اسد اپنا مطالبہ پیش کر کے چلا گیا تھا۔ چچا مصطفیٰ کی حقارت کی کوئی حد نہیں تھی۔

اس ننگے پیروں والی غریب لڑکی سے بہتر ہے کہ اسد شادی ہی نہ کرے مگر شائنہ آخر میں ہار گئی تھیں، یہ کوئی شدید قسم کا عشق نہیں تھا بس خدمت گار کی طلب تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بیوی شیزا جیسی مغرور نہ ہو اور حور جہاں نے غرور کرنا کس بات پہ تھا؟ اس کے پاس کیا تھا، بھلا ایک اپنا وجود اور اس کے لیے بھی کہیں کوئی جگہ نہیں تھی۔ امی نے فوراً ہاں کر دی تھی۔ ابا سے پوچھے بغیر۔

ابا بھی اسے دانت پیس پیس کر دیکھ دیکھ کر تھک گئے تھے جسے محبت گھر میں نہ ملی ہو۔ وہ ساری عمر پیاسا رہتا ہے۔

حور جہاں نے اسد کی کہی ہر بات سچ کر دکھائی تھی۔ وہ واقعی خدمت گزار تھی نہ کوئی نخرا نہ چالاکی بس دو وقت کی روٹی میں ہی راضی، سونے کے لیے بستر میسر تھا تو گویا ساری دنیا کی نعمتیں قدموں تلے تھیں، جو چاہا تھا وہ پا لیا تھا اور گھر میں کسی کے دل میں اس کے لیے جگہ ہو نہ ہو چچا، مصطفیٰ اسے آج بھی وہی سمجھتے تھے حقیر اور غریب۔

البتہ اسد آہستہ آہستہ اس سے متاثر ہوتے ہوئے محبت کرنے لگا تھا وہ اس محبت کی حق دار بھی تھی۔ شائنہ سب سے شیزا کا تعارف فخر سے کرواتیں اور حور جہاں کی باری چپ سی ہو جاتیں وہ ذرا بھی گرومڈ نہیں تھی۔ سادی سادی اور سادی۔

پھر آہستہ آہستہ لانے والوں نے خود ہی اسے قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔

☆☆☆

زندگی آگے بڑھی تھی۔ سعدیہ رانیہ بھی اپنے گھر کی ہوئیں کبھی کبھی چکر لگا لیتیں انہیں حور جہاں سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ حتیٰ کہ شیزا جیسی غرور سے بھری ماڈل نے بھی اسے کچھ بھی غلط نہیں کہنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ زندگی کے ستم بھول رہی تھی۔ امی ابا نے اس کی خبر نہ لی تھی وہ اپنا مستقبل بنانے میں مگن تھے۔ اب انہیں ارسلان کی پہلے سے بھی بڑھ کر پروا ہونے لگی تھی۔ اتنا وقت نہیں تھا کسی کے پاس کہ حور



www.zemtime.com

جہاں کی خیر خبر لینے میں وقت ضائع کرتا۔ اس نے بھی پیچھے مڑ کر دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔

پتا نہیں اس کے گھر میں کیا ہو رہا ہوگا وہ پیپل کا درخت کیسا ہوگا اور اس کی گھنی چھاؤں کیسی ہوگی۔ اتنے سارے پیارے سوال تھے جو اس چوکھٹ سے جڑے تھے مگر اس کے لیے وہاں جگہ نہیں تھی تو وہ جا کر انہیں تنگ کیوں کرے۔ کیوں جا کر انہیں یاد دلائے کہ میں ابھی زندہ ہوں شاید امی کو اس کا وہاں چلے آنا اچھا نہ لگے۔ وہ تو یوں بھی اس کو دیکھتے ہی موڈ خراب کر لیتی تھیں اور ابا رات دن انہیں منانے میں لگے رہتے۔ مڑ کر کبھی اس سے پوچھا ہی نہیں کہ ”حور تم ناراض تو نہیں ہو گئیں؟“

چچا مصطفیٰ کی بے گانگی کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ آج بھی وہ کسی کمی کسی کوتاہی کی تلاش میں تھے مگر کچھ ہاتھ نہیں لگتا تھا۔ ساس کے فرائض وہ بخوبی سرانجام دے رہے تھے مگر اس بات سے مکمل بے خبر تھے کہ ان کے پرہیزی کھانے اور چائے وغیرہ وہ ہی بنا کر دیتی ہے، شیزا صرف اپنا ناشتہ بناتی ہے۔ کسی کو پوچھتی بھی نہیں، معاذ اور شیزا کے کمرے سے زور زور سے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

شائنہ چچی دوا لے کر سوئی تھیں۔ اس میڈیسن کا اثر کافی عجیب تھا۔ وہ نیم غنودگی میں چلی جاتیں۔ اٹھنے کی کوشش میں چکرا کر گر جاتیں۔ ان میں وہ بات نہیں رہی تھی ان کا لمبے بالوں کا جوڑا اور رنگ برنگے لباسوں سے بھرا زمانہ حور جہاں کو اچھی طرح یاد تھا مگر وقت چپکے چپکے گزرتا رہتا ہے ہمیں بہت پیچھے چھوڑتے ہوئے۔ وہ چچا مصطفیٰ سے اچھی تھیں کم از کم خواہ مخواہ کسی کے لیے دل میں میل نہ رکھتی تھیں۔

وہ کچن میں کھڑی برتن دھو رہی تھی۔ اتنے سارے برتنوں کا ڈھیر تھا پر اس کے چہرے پر کوئی شکن نہ تھی۔ اسد نے کہا تھا کہ وہ جلد ملازمہ کا بندوبست کر دے گا۔ اسے خوشی سی محسوس ہوئی تھی کہ کوئی تھا جسے اس کا بھی خیال تھا۔ اس کی تھکن کا احساس تھا۔ غیر محسوس طریقے سے۔

اسد کا اس کے لیے خیال بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ یہ خیال خوش کن تھا۔ بہت پیارا۔

☆☆☆

شیزا بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑ رہی تھی اس نے پیزا آرڈر کیا تھا وہ اپنے کمرے میں تھی، جب شائنہ چچی نے اسے وصول کیا تھا۔ اب وہ پڑے پڑے ٹھنڈا ہو گیا تھا جس پر شیزا کا غصہ آسمانوں کو چھونے لگا تھا بلیک کرتی اور گرین چھوٹے سے دوپٹے میں اس کا رنگ غصے سے دہک رہا تھا۔

”ذرا تمیز نہیں ہے۔ یہاں کسی کو پروا ہی نہیں ہے۔ گھر ہے کہ جنگل۔“

اس کی چیخ پکار بند ہونے میں نہیں آ رہی تھی حور اپنے کام کاج میں لگی ہوئی تھی۔ اس طرح کے خود پسند لوگوں کو سمجھانا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ کل ہی شیزا کی امی لدی پھندی آئی تھیں اور اس کے پاپا بھی کافی کیش وغیرہ دے کر گئے تھے۔ اس نے خود اسے اتنے سارے نوٹ گنتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید ان ہی کا خمار تھا جو محترمہ نیند سے بیدار ہی نہ ہو رہی تھیں اور تو اور انہوں نے شائنہ چچی کی اچھی خاصی بے عزتی بھی کی تھی کہ وہ لوگ ان کی بیٹی کو آرام سے رہنے نہیں دے رہیں۔ شائنہ چچی بے چاری نے کیا تنگ کرنا تھا۔ فالج کے دو اٹیک ہو چکے تھے۔ ہارٹ پیشنٹ علیحدہ تھیں۔ مصطفیٰ چچا نے بھی اسے تو کبھی کچھ نہیں کہا البتہ معاذ کو اونچی آواز میں ضرور سمجھاتے تھے کہ تمہیں اپنی بیوی کو سیدھا رکھنا چاہیے مگر وہ ذرا سی ٹیڑھی نہیں تھی۔ ساری کی ساری ہی الٹی تھی۔ الٹی گنگا کو سیدھا کرنا ممکن نہیں تھا اور اسی پر اعتراض ہو رہا تھا۔

☆☆☆

رانیہ اور سحر ملنے آئی ہوئی تھیں۔ دونوں اپنے گھروں میں خوش آباد تھیں مگر چھوٹے موٹے گلے شکوے ماں باپ سے کرنے کو تو دل چاہتا تھا۔ جی چاہتا کہ آرام سے منہ سر لپیٹ کر لیٹ جائیں۔ کچھ تو سکون ملے زندگی تھکا دیتی ہے خوشحالوں کو بھی اور



www.zemtime.com

بدحالوں کو بھی، حور جہاں کے لیے زندگی نہ پہلے آسان تھی نہ اب مگر اب اسد کا ساتھ تسلی دیتا تھا۔

سحر کی ساس کا مزاج اتنا تلخ تھا کہ زندگی زہریلی ہو کر رہ گئی تھی۔ انہوں نے کبھی کسی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ ان کا مزاج ہی ایسا تھا سحر کے شوہر عباس بھائی بھی اپنی امی کی وجہ سے تنگ تھے مگر اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ سحر ماں کی گود میں سر رکھے دل ہلکا کر رہی تھی اس نے دل کہاں ہلکا کرنا تھا۔ اس کے دل میں کچھ بھی نہیں تھا بالکل خالی کنواں، سحر نے بھی شیزا کے سخت رویے اور لیے دیے انداز کو صاف محسوس کر لیا تھا اب شائنہ چچی کے پچھتاوے تھے اور وہ تھیں بیٹی سے کیا بحث کرتیں۔

حور جہاں نے چائے کے کپ ٹرے میں رکھے اور لا کر ان کے سامنے رکھ دیے۔

گوشت چولہے پر چڑھا چکی تھی مسالہ پیسنا باقی تھا فرش اس نے صبح سویرے ہی پائپ لگا کر دھو لیا تھا۔ ہر کوئی چمکتے فرش میں باآسانی اپنا منہ دیکھ سکتا تھا مصطفیٰ چچا کے لیے کھچڑی دم پر تھی۔

"مجتبیٰ تایا نہیں آئے کبھی؟" اچانک سحر نے ماں سے پوچھا تھا۔ اس کا لہجہ بے حد عام سا تھا۔

"اس نے تو مڑ کر خبر ہی نہیں لی اولاد کی، جب سے سلمیٰ سے نکاح کیا ہے، بالکل ہی بے خبر ہو گیا وہ تو۔"

انہیں شیزا کے والدین یاد آ گئے تھے۔ ان کا غرور نظروں میں گھوم گیا تھا۔

"معاذ کے سسرال والے اللہ ایسی سسرال کسی کو نہ دے معاذ پتا نہیں اتنا مجبور کیوں ہو گیا ہے میں تو اس کی بے بسی سے ڈرتی ہوں۔ نجانے میرے بیٹے کو کیا ہو گیا ہے ایسا تو نہیں تھا اور معاذ کا وہ اکلوتا سالا اکلوتی سالی دکھائی دیتا ہے مجھے تو کانوں میں بالیاں رنگ برنگے لباس انگوٹھیاں، پتا ہی نہیں چلتا کہ مرد ہے کہ عورت، کیسے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ کیسی آزمائش ہے یا اللہ تو ہی اس قہر سے نکال لے میں سارا سارا دن دوا لے کے سوئی رہتی ہوں جب بھی دیکھا ہے اس لڑکی کو چلاتے ہوئے ہی دیکھا اور تو اور اس پر بھی رعب ڈالتی ہے بن ماں باپ کی بچی ہے، پلٹ کے جواب نہیں دیتی مگر اس میں خدا کا کوئی خوف نہیں ہے۔"

رانیہ اور سحر ٹکر ٹکر ماں کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"ایسے تو یہ گھر نہیں تھا وقت نے پیارے سنہرے رنگ اڑا ڈالے تھے خوشیوں کے پنچھی اڑ گئے۔ باقی خاک رہ گئی تھی بس۔"

☆☆☆

اسد نے ملازمہ کے بندوبست والا وعدہ سچ کر دکھایا تھا۔ غریب سی عورت تھی مگر تھی اعتبار کی۔ اسد نے اس سے کہا تھا کہ وہ ملازمہ کو سارا کام سمجھا دے اسے بہت عجیب لگ رہا تھا۔ وہ بھاگ کر ملازمہ کے لیے بھی چائے بنا لائی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھر رہی تھی۔ صبح کا ساڑھے سات آنے کا ٹائم دیا تھا۔ اسے وہ کام میں بھی کافی پھرتیلی لگی تھی۔ ہاتھ کے ہاتھ ہی کام بنا دیتی وہ بھی سلیقے سے، اب حور جہاں صرف کھانا پکاتی تھی جو دل چاہتا وہ پکا لیتی کوئی اعتراض نہ کرتا تھا۔ اس کی دنیا اس کے کمرے تک محدود تھی جہاں وہ دل سے خوش ہو لیتی اپنی پسند کا ڈرامہ دیکھ لیتی، والدین والے سین' سے حیرت میں مبتلا کر دیتے۔ ایسی محبت کہاں ملتی ہے کون سا دیس ہے وہ شاید پریوں کا۔

آج موسم بہت خوش گوار تھا اس نے لان کا نیا سوٹ پہنا تھا اسد کی پسند اب اس کی زندگی میں کوئی نیا شامل ہونے والا تھا۔ چاہے وہ بیٹی ہوتی یا بیٹا اسے دل سے قبول تھا۔ دل خوشی سے بھرا ہوا تھا ہر شے اچھی لگ رہی تھی۔ اسد بھی یہ خبر سن کر پھولے نہیں سمایا۔ شائنہ چچی نے بھی یہ خبر سن کر اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

"چلو کہیں سے تو خوشی کی خبر بھی سنی۔"

شیزا تو بدمست ہاتھی سی دکھائی دیتی تھی اور معاذ الگ پریشان، پتا نہیں کیا چل رہا تھا ان کے بیچ کہ خوشی کی کوئی کونپل پھوٹتی ہی نہ تھی، وہ تشویش سے سوچے گئیں سوچنا فضول تھا۔



www.zemtime.com

معاذ بیوی کے کانوں سے سنتا اور بیوی کی آنکھوں سے دیکھتا تھا اسے کچھ بھی سمجھانا بے کار تھا۔

☆☆☆

ادھر حور جہاں نور جہاں کی ماں بنی اور ادھر معاذ کے اکلوتے سالے صائم کی شادی کا شور اٹھا تھا۔ پیسے والے لوگ تھے۔ شیزا کا ڈیزائنر بہت قیمتی سوٹ بنوایا تھا انہوں نے اور معاذ کو بھی کافی مہنگا سوٹ دلوایا تھا۔ حور جہاں نور جہاں کو پا کر دو جہانوں کی خوشی لے کر بیٹھی تھی۔ زندگی بدلی تھی اور کیا خوب صورت بدلی تھی۔ البتہ شیزا کا بس چلتا تو حور جہاں کا گلا دبا دیتی۔ اتنی نفرت ہو گئی تھی اسے۔

"تم مڈل کلاس لوگوں کو بچے پیدا کر کے فگر خراب کرنے کے علاوہ آتا ہی کیا ہے۔"

یہ اس کی جلن تھی جو وہ نکال کر چلی گئی تھی۔

البتہ معاذ نور جہاں کو اٹھا کر دیکھتا رہا تھا۔

"حور جہاں بھابھی جیسی ہے بالکل۔"

چچا مصطفیٰ شاید بوڑھے ہو گئے تھے اس وجہ سے ان کا ذہن آج بھی اسی نقطے پر اڑا تھا کہ وہ حقیر ہے مگر کیا کہیں کہ جس کے مقدر حقیر نہ ہوں اسے ساری دنیا جتنا کہتی رہے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی زندگی مکمل تھی تو سب ٹھیک تھا سب کچھ۔

ایک صبح اچانک ہی شور اٹھا تھا پہلے کمرے میں پھر کمرے سے باہر سیلاب کی طرح۔

"میں نے اپنے فلیٹ میں شفٹ ہونا ہے۔" شیزا نے اپنا بیگ تیار کر رکھا تھا۔ "میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

معاذ سمجھا سمجھا کر تھک چکا تھا جو طوفان وہ اندر چھپا کر بیٹھا تھا۔ اب وہ لاوا سب کے سامنے آتش فشاں بن کر پھٹ چکا تھا۔ اس کے پاپا کا فلیٹ تھا وہ وہاں شفٹ ہونے کا کہہ رہی تھی۔ "سب اسی میسنی سے پیار کرتے ہیں۔ میری کسی کو پروا نہیں۔" شیزا جاتے جاتے بھی اس پر وار کرنا نہیں بھولی تھی۔

"جاؤ بیٹا! تم اپنا گھر بچاؤ ہم اکیلے نہیں ہیں، ہے نا اسد ہمارا خیال رکھنے کے لیے۔ تم اداس مت ہو۔ کوئی نہیں۔ یہ بھی تو میری بیٹی ہے۔ ضد کر رہی ہے تو مسئلہ نہیں ہے۔"

پھر شائنہ چچی نے ہی معاذ کو پریشانی سے نکالا تھا بیٹے کو کب تک پریشان رکھتیں آخر!

"اسد! میں ایک دو دن ابا سے مل آؤں۔"

شائنہ چچی لاہور اپنی بہن سے ملنے گئی ہوئی تھیں اور چچا مصطفیٰ بھی انہی کے ساتھ گئے تھے اسد نے ہامی بھر لی تھی۔

"تم اسے بھی ساتھ لے جاؤ گی۔" وہ نور جہاں کو گدگدا کر بولا تھا۔ سال بھر بعد ہی سہی۔ "چلو وہ جانا چاہتی ہے تو چلی جائے ورنہ تو تایا جان نے تو اپنی بیٹی کو یاد نہیں کیا۔ ایک بار بھی ملنے نہیں آئے ماں تو چلو سوتیلی تھی پر باپ تو سگا تھا۔ اچھی خاصی سمجھ دار لڑکی تھی اور بے کار سمجھ کر پھینک گئے۔

جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ کم از کم میرے حق میں تو اچھا ہوا۔" اسد نے سوچا تھا حور جہاں نے چھوٹا سا بیگ تیار کر لیا تھا اور نجانے کیا سوچ رہی تھی اس نے ریموٹ اٹھایا اور چینل بدل دیا۔

"تو جو نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے یہ مانا کہ محفل جواں ہے حسین ہے۔"

"اللہ کرے وہ جلد ہی واپس آ جائے۔" اس نے دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

گلی تو بالکل وہی تھی راستے بھی وہیں موجود تھے ایسا لگتا تھا جیسے در و دیوار اسے دیکھ کر مسکرائے ہوں۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی گویا ایک ایک دیوار روڑے اور مٹی سے گلے مل رہی تھی۔ یادیں چاہے تلخ ہی سہی یہ گھر اسے بھولا نہیں تھا گیٹ کھلا ہی تھا۔

اس نے آہستہ سے قدم اندر رکھ دیا تھا وہ سلمیٰ تھیں اپنی عمر سے کئی سال بڑی نظر آ رہی تھیں۔ ہر وقت لپ اسٹک لگا کر رکھنے والی سلمیٰ کے بال بھی اجڑے اجڑے تھے۔

اسے لگا تھا کہ سلمیٰ اس کا استقبال نہیں کریں گی۔ اسے فوراً چلے جانے کا کہیں گی وہ بار بار اسے



www.zemtime.com

اپنے طعنے بھرے چہرے سے یاد آتی تھیں۔ دل و دماغ سے ان کی نفرت چپکی ہوئی تھی مگر وہ آگے بڑھ کر اسے گلے لگا رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ اس سے مل کر خوش ہو رہی تھیں۔ اسے سکتہ سا ہو رہا تھا ایسے لگتا تھا جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ خوابوں میں چل رہی ہو اور چلتے چلتے اپنے باپ کے گھر آ گئی ہو۔

باورچی خانہ بھی اسے دیکھ کر پرانی یادیں تازہ کر رہا تھا پتا نہیں ابا کہاں تھے۔

''تمہارے ابا آتے ہی ہوں گے۔'' انہیں تو ہمیشہ سے ابا کو اپنا شوہر صرف اپنا ہی بنا لینے کا ہی جنون تھا۔ اب وہ اسے تمہارا باپ کہہ رہی تھیں انہوں نے تو نور جہاں کو گود میں بھر رکھا تھا۔

کون کہتا ہے وقت بدلتا نہیں ہے بدل جاتا ہے منظر بدل جاتے ہیں۔ بس ذرا سا انتظار اس نے اکلوتی بیٹیوں کے لاڈ سنے تھے۔ ان کی محبت چاہت کے قصے سنے تھے مگر کبھی یہاں سارا جھگڑا ہی اس کے ہونے پر تھا خواہ مخواہ کا خرچا۔ پرایا دھن اس پر خرچ کرنا گناہ کبیرہ تھا۔ امی اٹھ کر کچن میں چلی گئی تھیں۔

اندر بیٹھ کر کچھ گھول رہی تھیں پتا نہیں کیا، وہ اس وقت صرف اسی خواب کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ وہ باہر آئی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں شربت کا جگ تھا جو انہوں نے بڑے پیار سے پہلے نور جہاں کو دیا تھا پھر حور جہاں کو پلایا تھا۔ ''میں کھانا پکاتی ہوں۔ تم تھوڑا آرام کر لو۔ تھکی ہوئی آئی ہو۔''

وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھنے ہی والی تھیں کہ اس کی نظر آنے والے پر پڑی تھی۔

''ارسلان؟'' وہ اس کا چھوٹا سا بھائی اب کافی قد کاٹھ نکال چکا تھا۔ اسے فخر سا ہوا تھا۔

''اچھا تو یہ ہے جس کی یاد میں دن رات آنسو بہائے جاتے ہیں اب آ گئی ہے تو کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہو گا میں تو ہوا کتے کا بچہ، نالی کا کیڑا میری کیا ضرورت۔''

اس کے ہونٹوں کے کناروں میں سرف کی طرح کی جھاگ چھپی ہوئی تھی سلمٰی کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا تھا۔ گہری رات کی طرح وہ صاف سہمی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

''تم بیٹھو تو سہی، تمہارے لیے بھی شربت رکھا ہے۔ میں لے کر آتی ہوں۔'' سلمٰی کے اٹھنے سے پہلے ہی وہ اندر جا کر بچا ہوا شربت پی گیا تھا۔

''کبھی میرے آنے پر تو شربت نہیں بنایا تو نے جیسے میں گھر میں قدم رکھوں ڈرامے شروع کر دیتی ہو بیماریوں کے۔ تو بیمار و بیمار کچھ نہیں ہے۔ بہت بڑی اداکارہ ہے بس۔'' وہ سن سی ہو کر سن رہی تھی۔

''تم امی کے ساتھ کس طرح بات کر رہے ہو؟'' حور جہاں نے لہجہ پوری کوشش سے نارمل رکھا تھا۔

''تم اسے جانتی نہیں ہو ناں۔ اسی لیے اس طرح کہہ رہی ہو، اس کے قصے اس کے جو اسٹیج ڈرامے ہیں ناں وہ میں کہیں سناتا ہوں۔''

ارسلان کے رویے میں کہیں بھی لچک نہیں تھی۔ محبت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس دوران سلمٰی نے سوائے چپ رہنے کے اور کچھ نہیں کیا۔ کانپتے ہاتھوں سے پیاز کاٹی تھی۔ وہ بھی بے ترتیب۔

''میں گوشت لے آتی مگر طبیعت ٹھیک نہیں، چلا نہیں جاتا مجھ سے۔''

''کوئی بات نہیں امی میں لے آتی ہوں آپ یہاں بیٹھ جائیں۔''

امی کو نجانے کب شوگر ہو گئی تھی ہر وقت نقاہت اور بے چینی مقدر ہو گئی تھی۔ دوا وغیرہ کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ جب وہ دونوں گوشت لینے جانے لگی تھیں۔ تب اچانک ارسلان آ گیا تھا۔

''میں مر گیا تھا۔ موت آ گئی تھی مجھے۔ فتنی بڑھیا جو اس کے سامنے مظلوم بن کر کھڑی ہو گئیں۔''

ارسلان نے اس شدت سے سلمٰی سے پیسے چھینے تھے کہ وہ گرتے گرتے بچی تھیں۔

''میں نے سوچا کہ تم ٹی وی دیکھ رہے ہو۔'' وہ منمنائی تھیں۔

''ہاں ٹی وی دیکھنے لگا تھا کہ پھانسی پہ چڑھا ہوا

www.zemtime.com

تھا۔ جو تم کہہ ہی نہیں سکیں۔"

وہ پیسے لے کر نکل گیا تھا۔ امی کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا صاف چہرے پر بس اور کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا تھا۔

نور جہاں وہیں چارپائی پر سو گئی تھی اس نے اسے اٹھا کر اندر بیڈ پر لیٹا دیا تھا۔ اس دیوار کا کونا ایک بار اس کی کنپٹی میں گھس گیا تھا جب ایک دن اس نے ہمسائی ناہید خالہ کے کہنے پر سلمٰی سے کہا تھا کہ وہ سارے گھر کا کام اکیلے نہیں کر سکتی۔ وہ بھی ہاتھ بٹایا کریں۔ تب سلمٰی کھڑے کھڑے بے ہوش ہو گئیں اور واپسی پر ابا نے اسے مار مار کر تقریباً ختم ہی کر دیا تھا کہ ناہید خالہ نے اسے چھڑایا تھا تب سلمٰی نے آہستہ آہستہ خود ہی اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔

"مگر میں نے تو معاف کر دیا تھا امی کو، ابا کو۔"

اس نے ماضی کی تلخی جھٹک دی تھی۔ وقت گزر گیا تھا۔ اس نے خود ہی کھانا بنا دیا تھا۔ ایسے جیسے وہ کبھی یہاں سے گئی ہی نہ ہو۔

اس نے روٹیاں رومال میں لپیٹ کر ابا کے سامنے رکھیں اور پھر خود بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھانے لگی تھی۔ امی کتنے پیار سے ارسلان کے لیے دیسی گھی میں ڈوبا چینی والا پراٹھا بناتی تھیں۔ اسے یاد آیا تھا۔

سلمٰی نے ارسلان کے سامنے سالن رکھا تھا جسے اس نے فوراً پرے کر دیا تھا۔

"ہاتھ تو دھو لیا کرو، صابن کو ہاتھ تو لگانا نہیں دیکھو کتنی مکھیاں ہیں اس کے گرد۔" وہ حقارت سے دیکھتے ہوئے ان کے ہاتھ سے سالن بھی نہ لے رہا تھا اس نے دوسری کٹوری میں سالن دے دیا تھا۔ ابا اس چھوٹے سے پراٹھے کے کئی نوالے انہی گندے ہاتھوں سے اس کے منہ میں ڈالتے تھے۔ کچھ نہیں بولے، بولے بھی تو بس اتنا سا۔

"تو اپنے لیے سالن خود ڈال لیتا اس کے ہاتھ سے نہ لیتا۔"

یہ وہی ارسلان تھا جسے ماں چومتے چومتے کبھی تھکتی ہی نہ تھیں اٹھا اٹھا کر ناز کر کر کے خود کو خوش نصیب خیال کیا کرتی تھیں وہ تو بیٹے کی ماں ہیں اور ناز یہ تو بیٹی چھوڑ کر مری ہے وہ بھی منحوس، سلمٰی اٹھ کر ہاتھ دھو آئیں اور کافی دور بیٹھ کر روٹی کھانے لگیں ایسے جیسے اچھوت ہوں۔

اس نے معذرت کرنے یا شرمندہ ہونے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

ارسلان ابا کے سامنے بیٹھا ان سے پیسے مانگ رہا تھا۔

"دے رہا ہوں دیکھو ذرا دھیان سے پیسے خرچ کیا کرو اب حالات وہ نہیں رہے۔"

"مر جانا مگر خرچ نہ کرنا تم لوگ، نہ یہ سارا پیسہ قبر میں لے کے جاؤ گے تم دونوں، اس پر تو بڑے پیسے خرچ کرتے ہو۔" اس کا اشارہ سلمٰی کی طرف تھا۔

"دھیان نہیں رہتا کہ دکان میں سودا کم ہے۔ آمدن کم رہ گئی ہے۔ دیکھ رہا تھا میں رات کو گلاب جامن کھلا رہے تھے اپنی بیوی کو، اس کے دانت باہر نکل رہے تھے۔" کل ابا نے سلمٰی بیگم کو میڈیسن لے کر دی تھیں ان کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی واپسی پر وہ ان کے لیے جامن لائے تھے۔

"یار وہ تیری ماں بھی تو ہے۔" ابا پھیکا سا ہنس کر بولے تھے۔

"ماں نہیں ہے بیوی ہے تمہاری الو یں نہ سکھایا کرو مجھے۔" ابا کی مسکراہٹ جان دار نہیں تھی مردہ ہنسی جس میں بھرم ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

"دکان پر بیٹھ جاؤ۔ دکان پر بیٹھ جاؤ۔ سارا دن ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے میں دکان پر بیٹھ جاؤں تم گھر بیٹھ جاؤ لوگوں کے بیٹے ہیں عیش کرتے پھرتے ہیں پتا ہے کل ہی نئی بائیک لی ہے مظہر نے اور مجھے ہزار روپے بھی نہیں ملتے گھر سے۔" ذرا سی اس کی آنکھوں میں شرارت چمکی تھی ابا نے ہزار روپے کا نوٹ اسے تھما دیا تھا اور نوٹ ملتے ہی وہ نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا تھا۔

"میں دکان پہ جا رہا ہوں اور حور جہاں تم تو



www.zemtime.com

بالکل بولتی ہی نہیں ہو۔ کیا پکانا ہے آج؟" ابا لہجے میں بشاشت بھر کر بولے تھے۔

"کچھ نہیں ابا! بس مونگ کی دال وہ بھی تڑکے والی۔" رات ارسلان نے سلمٰی کو اتنا بے عزت کیا تھا کہ وہ روح تک کانپ گئی تھی۔

"یہ جتنی سانسیں بچی ہیں ناں، ذرا سا گلا گھونٹنے سے وہ بھی نکل جائیں گی اور کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔"

"اس پر پیسہ نہ لٹاؤ لگ رہا ہے چچا مصطفیٰ کے گھر عیش کر رہی ہے تم کس خوشی میں اس کی دعوتیں کر رہی ہو خود جا کے اپنے گھر جو مرضی کھاتی رہے۔ یہاں لاڈ کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔" سلمٰی کے کمرے میں دو منٹ گھسا تھا اب رگڑ رگڑ کر منہ ہاتھ دھو رہا تھا۔

آج یہاں تیسرا دن تھا اس نے باقی دال ڈھک کر فریج میں رکھ دی تھی۔ کل اسد اس سے لینے آ رہا تھا اس نے اپنا بیگ تیار کر لیا تھا۔ سلمٰی اداس بیٹھی تھیں۔

"تم آئی ہو تو دل لگ گیا تھا میرا۔ کتنی بار تمہارے باپ سے کہا بھی کہ ہم چل کر حور سے مل آئیں مگر وہ کہتا تھا کہ ہم کس منہ سے اسے ملنے جائیں تم آ جایا کرو حور! تم ایک ہی تو میری بیٹی ہو بیٹیاں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں، مجھے افسوس کہ میں نے سمجھا ہی نہیں۔"

سلمٰی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے جو حور نے سمیٹ لیے تھے۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے امی! آپ مجھ سے ملنے آنا میں انتظار کروں گی، ماں بیٹیوں کے درمیان کیسی ناراضی بس آپ بھول جائیں سب کچھ۔"

جاتے جاتے امی نے پانچ سو کا مڑا تڑا نوٹ نور جہاں کی مٹھی میں دینا چاہا تھا جسے اگلے ہی لمحے اچک لیا گیا تھا پیچھے کھڑا ارسلان ٹھیک موقع پر چوری پکڑ چکا تھا۔

"یہ مجھے دے کر جاؤ۔"

"لے لو ارسلان اس کی بوتل پی لینا۔"

"ہائے سچ باجی تم تو بڑی سمجھ دار ہو ان کو بھی کچھ سمجھا جاؤ کچھ تو سیدھے ہو جائیں میری تو بڈھا بڈھی مانتے نہیں ہیں۔" وہ اداس ہو کر بولا تھا اس کے پاس اس مسئلے کا حل نہیں تھا۔ ہائے اولاد کی محبت ایسے ہی تو اسے آزمائش نہیں کہا گیا۔

☆☆☆

واپسی خاصی ہنگامہ خیز تھی شائنہ چچی لوٹ آئی تھیں اور شیزا اور معاذ نے گھر بیچ کر اپنا حصہ مانگ لیا تھا۔ شائنہ معاذ سے اس بے دردی کی توقع نہیں رکھ رہی تھیں مگر وہ بیوی کے پیچھے بضد تھا مکان بک جانا چاہیے۔ اس گھر میں شائنہ بیاہ کر آئی تھیں تو یہاں کچھ بھی نہیں تھا انہوں نے اس کھنڈر نما عمارت کو گھر بنایا تھا اس میں صوفے سجائے تھے۔ قالین بچھائے پینٹنگز لگائیں۔ باورچی خانہ بنایا اسے آباد کیا تھا اک اک شے، اک اک کونہ گویا ان کے دل کا ٹکڑا تھا اور دل کا ٹکڑا ایسے تن کر سامنے کھڑا ہو تو دل ریزہ ریزہ ہو جایا کرتا ہے۔

یہ بڑا سا گھر مصطفیٰ چچا کے نام تھا رات شائنہ چچی نے مدعا بیان کیا تو وہ کمرے سے ہی باہر نکل آئے تھے۔

"تم اسے لے کر جہاں رہنا چاہتے ہو جاؤ، میں اپنا گھر نہیں بیچ سکتا۔" ان کا صاف انکار سننے کے بعد شیزا اور معاذ شائنہ چچی سے ملے بغیر ہی چلے گئے تھے۔ اس اعلان کے ساتھ وہ کبھی نہیں لوٹیں گے۔

شائنہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر گئے تھے۔ "کیا کمی تھی اپنا کھا کما لیتی۔ میں نے تو کوئی ناانصافی نہیں کی تھی مگر کسی کی بگڑی ہوئی اولاد کو ٹھیک کون کر سکتا ہے۔

شیزا ایسی ہی لڑکی تھی غرور سے بھری ہوئی جس طرح جاتے ہوئے اس نے گیٹ کو ٹھوکر ماری تھی شائنہ کا دل دہل گیا تھا وہ کیسی ناشکری عورت تھی۔

دن پر دن گزر رہے تھے۔

☆☆☆



www.zemtime.com

سلمٰی اور ابا کو سامنے دیکھ کر اسے یقین ہی نہیں آیا تھا کہ کوئی اس سے بھی ملنے آسکتا ہے۔ شائنہ چچی بھی سلمٰی کو دیکھ کر حیران تھیں شاید کچھ کہہ بھی دیتیں مگر اس وقت بیٹے کی جدائی کا غم تازہ تھا۔ اس لیے کسی پر طنز چاہتے ہوئے بھی کر نہ سکیں۔

سلمٰی امی اس کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ ابا باہر ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔

"سچ ہے ہمیں وہی ملتا ہے جو ہمارے نصیب میں لکھا ہو۔ ہم قدرت سے بڑھ کر منصوبہ ساز نہیں ہو سکتے۔ کوئی آگے پیچھے نہ بھی ہو تو جسے چاہے اللہ نواز دیا کرتا ہے۔" ابا نادم تھے پر دل ہی دل میں شکر ادا کر رہے تھے کہ ان کی بیٹی خوش ہے۔

سلمٰی امی کھانا کھا رہی تھیں۔ کھیرا اٹھا کر بریانی کے ساتھ چباتے وہ پورے کمرے کا جائزہ لے چکی تھیں۔

"یہاں صرف تم ہی رہتی ہو حور! اسد کا بڑا بھائی الگ رہتا ہے؟"

"وہ تھوڑے دن پہلے علیحدہ ہوئے ہیں سحر اور رانیہ کی شادی ہو گئی، پھر چچا مصطفیٰ شائنہ چچی اور میں ہی رہ گئے۔" ابا ابھی تک مصطفیٰ چچا سے نہیں ملے تھے۔

"مصطفیٰ بے حد مغرور انسان ہے کوئی فرق بھی پڑا ہے کہ ویسے کا ویسا ہی ہے۔" ابا چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولے تھے۔

"بہت اچھے ہیں۔" وہ بھی رات دیر تک امی کے ساتھ بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی ماضی کا ایک ورق تھا جو اچانک چمک کر سامنے آ گیا تھا اور یقین ہی نہ آتا تھا۔

امی ابا اس کے نصیب پر رشک کرتے ہوئے دعائیں دیتے ہوئے رخصت ہو گئے تھے۔ جاتے جاتے حور جہاں نے پانچ ہزار کا نوٹ سلمٰی کی مٹھی میں منتقل کر دیا تھا جس کا ابا کو بھی پتا نہیں چلا تھا۔ "کوئی مسئلہ ہو تو بتانا ہمیں۔" ابا تاکید کر رہے تھے اور سلمٰی کا رو رو کر برا حال تھا۔ پتا نہیں کیا کہنا چاہتی تھیں مگر حور نے ان سے لپٹ کر انہیں چپ کروا دیا تھا۔

وقت اپنی مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھا شیزا کی کوئی خیر خبر نہیں تھی ایک دن معاذ گیٹ کھول کر اندر آ رہا تھا۔

شائنہ چچی نے چیخ کر حور کو آواز دی۔

"یہ معاذ ہے ناں خواب تو نہیں ہے سچ سچ بتانا حورا"

"دن میں کئی بار وہ ایسے ہی ہر آنے والے کو معاذ کہہ دیا کرتی تھیں۔ اب وہ نظر آیا تھا تو خود پر یقین ہی نہ کر رہی تھیں، میلے سے کپڑوں میں ملبوس وہ معاذ ہی تھا جو ہر وقت تیار رہا کرتا تھا اب نجانے کیوں، کیا پتا شیزا نے فلیٹ سے نکال دیا ہو، اسے تو کسی کی بھی پروا نہیں تھی کبھی۔

معاذ وہیں شائنہ چچی کے پاس ہی بیٹھ گیا تھا۔ قدموں کے پاس۔ ماں جیسی ٹھنڈی چھاؤں کہاں نصیب ہوتی ہے ہر کسی کو۔ لوگ تو کیکر کے سوکھے کانٹوں کی طرح جسم ہی نہیں روح میں بھی چھید کر دیتے ہیں۔

جب بھی کوئی اپنی ماں کے پاس بیٹھتا تھا۔ اسے اپنی بے وقعتی یاد آ جاتی تھی وہ لمحے جو کانٹوں پر گزارے تھے، وہ باتیں جو نازک دل پر سہی تھیں۔ وہ زندہ ہو کر رلاتی تھیں مگر کم عقلوں کی طرح ہر جگہ اپنے دردیدہ دل کا ماتم نہیں کرتی تھی۔ اس کی روح پر کیسے زخم لگے تھے اس کے پیروں میں کیسے کانٹے چبھے تھے۔ کوئی نہیں جانتا تھا اتنا زخمی یا تو سنور سکتا ہے یا بگڑ جاتا ہے وہ خود ہی سنور گئی تھی۔

"امی وہ ماں نہیں بن سکتی کبھی، میں ہر جگہ ٹیسٹ کروا چکا ہوں۔"

معاذ کے دل سے آہ نکلی تھی جسے شائنہ چچی نے سمیٹ لیا تھا وہ بلکتا ہوا ننھا بچہ لگ رہا تھا۔ یہ خبر سن کر اس کے بھی پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ کیا غرور کرنے والوں کا انجام اتنی جلدی دکھا دیتا ہے اللہ ہاں یہ سچ ہے۔ معاذ کو شیزا نے بے عزت کر کے فلیٹ سے نکال دیا تھا وہ جس طرح ماں باپ کو ٹھوکر

www.zemtime.com
ZEMTime CINCE 2014

مار کر گیا تھا اس نے معاذ کو ٹھوکر مارتے سوچا تک نہیں، ایسا لگتا تھا کہ جنگ کافی دن اس نے لڑی تھی اور پھر ہار کر لوٹا تھا۔ وہ اپنے بھائی والدین کے ساتھ مست تھی اسے معاذ کی کیا ضرورت۔

اس نے ایک فون کال تک نہیں کی معاذ اس کی طرف سے مکمل مایوس ہو چکا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ جھک جاتی اپنی کمی مان لیتی مگر افسردگی یا اداسی نے اسے چھوا تک نہیں تھا۔ مصطفیٰ چچا کی اکڑ بھی ختم ہو گئی تھی جوان بیٹے کی جدائی نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ معاذ واپس لوٹا تھا تو انہیں لگتا تھا کہ وہ کھل کر سانس لے رہے ہیں۔

☆☆☆

آج سارے گھر میں ڈھیروں ڈھیر پھول آئے ہوئے تھے سارے گھر کو پھولوں سے سجایا جا رہا تھا خاص طور پر معاذ کے کمرے کو، معاذ نکاح کر رہا تھا۔ اسد کے بیسٹ فرینڈ معید کی بہن فرح سے۔ فرح کا پہلا شوہر روڈ ایکسیڈنٹ میں شدید زخمی ہو کر چل بسا تھا۔ فرح اس وجہ سے بے حد افسردہ رہتی تھی مگر اس کی زندگی ایک بار پھر اس طرح ایک نئی راہ پر چل نکلے گی۔ یہ اسے معلوم نہیں تھا۔ شاید اسے ہی قسمت کا لکھا کہتے ہیں۔ فرح اور معاذ کے رشتے کا کبھی کسی نے خواب بھی نہ سوچا تھا۔

کئی بار حور جہاں ان کے گھر افسوس کے لیے گئی تھی اور پھر معاذ کا رشتہ لے کر وہ بے حد خوش تھی کہ اس نے دو ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے کی کوشش کی تھی۔ دنیا کی سب سے بڑی نیکی، معاذ کے چہرے پر سکون تھا شیزا کی کال آئی تھی۔ وہ طلاق لینے کا کہہ رہی تھی معاذ کے سمیت گھر کا ہر فرد ہی اسے اپنی زندگی سے نکال دینا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش کا ہر کوئی احترام کرنے کے لیے تیار تھا۔

معاذ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ سلمیٰ اور ابا بھی آئے ہوئے تھے۔ شیزا نے ان سب کو حقیقتاً دن میں تارے دکھا دیے تھے اور اب شوہر کو بھی چھوڑ گئی تھی۔

کھانا وغیرہ کھانے کے بعد سلمیٰ، ابا، چچا مصطفیٰ کی موجودگی میں ہی معاذ کا نکاح پڑھوا دیا گیا تھا۔ سلمیٰ کے پاس ہی حور جہاں بھی بیٹھی تھی نور جہاں کھیل رہی تھی۔

"شیزا کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

سلمیٰ حیرانی سے اس کے متعلق دریافت کر رہی تھیں۔ جس بے وقوف کو گھر اور گھر داری سے کوئی لینا دینا ہی نہیں تھا ان کی حور جہاں نے تو بہت اچھے طریقے سے گھر بسا لیا تھا۔

"امی! اگر اسے کوئی دکھ ہوتا تو وہ روکتی نہیں معاذ بھائی کو۔" حور جہاں کے بولنے میں بھی اعتماد تھا وہ خود پر اعتبار کرنے لگی تھی۔

چہرے پر آسودگی، محبت صاف نظر آتی تھی یوں بھی سلمیٰ اب ارسلان کی طرح اس سے پیار کرنے لگی تھیں وہی گلے سے لگانا اور ہاتھ چومنا۔

☆☆☆

معاذ اور فرح ناشتہ کر رہے تھے معاذ کا موڈ بہت اچھا تھا وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ فرح دھیمے مزاج کی پیاری سی لڑکی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ معاذ کی ایک اور بھی بیوی ہے جس سے جھگڑا چل رہا تھا۔ فرح کے اپنے میکے میں چار چار بھابیاں موجود تھیں، وہ ان میں کسی کو بھی تنگ نہیں کرنا چاہتی تھی اس سے پہلے کہ کوئی پریشان ہو کر خود اسے شادی کرنے کا کہتا اس نے خود ہی معاذ کے لیے ہاں کر دی تھی۔ زندگی رو رو کر نہیں گزاری جا سکتی پیچھے زندہ رہ جانے والوں کو زندہ رہنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

حور جہاں نے گیٹ پر چھوٹے سے بیگ کے ساتھ کسی کو کھڑے دیکھا تھا۔ سادہ سے شلوار قمیص میں ملبوس اور گلاسز بھی غائب تھے۔ وہ شیزا تھی جس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں اور بال پونی میں قید کیے خود بھی قید میں لگتی تھی۔ شائنہ چچی نور جہاں کے ساتھ ساتھ ایک پوتے کی بھی دادی بن چکی تھیں۔ اندر کمرے میں وہ سال بھر کے گل گوتھنے گلزار سے کھیل رہی تھیں ان کا آنگن آباد



www.zemtime.com

ہو گیا تھا معاذ اور فرح بھی گلزار کے آنے سے مکمل ہو گئے تھے۔ کہیں بھی شیزا یاد بھی نہ آئی تھی۔

وقت دبے پاؤں گزر بھی جاتا ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا زمین قدموں تلے سے کھینچ لی جاتی ہے راتیں اور دن تیزی سے گزرتے گئے تھے۔

شیزا سراپا آنسو لگ رہی تھی وہ اپنی زندگی میں مگن ہو گئی ایسا نہیں تھا۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح بالکل خالی ہاتھ تھی۔ روپے پیسے اور مصنوعی محبت نے معاذ کو بھی اس سے متنفر کر دیا تھا اب وہ یہاں کھڑی تھی اور حور جہاں اس کے پیر دیکھ رہی تھی۔ یہ گھر، قدم، بے وقعت انسان کیا وہ اسے پہچانتی نہ تھی وہ اس کے غم میں اپنا ماضی ڈھونڈ رہی تھی۔

شیزا شائنہ چچی کو دیکھ کر زار و قطار رونے لگی تھی وہی اب اسے پناہ دے سکتی تھیں۔ وہ خاموشی سے بس دیکھ رہی تھیں۔ گلزار کی موٹی آنکھیں حیرانی سے بھری ہوئی تھیں اور شیزا اس میں صاف معاذ کا عکس محسوس کر سکتی تھی۔ اسے اس کے بھائی نے ٹینا سے شادی کے بعد نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا پھر یک چڑھی ٹینا شیزا کے سائے سے بھی نفرت کرتی تھی۔

شیزا اور ٹینا میں جھگڑے شروع ہو گئے تھے صائم نے شیزا کو بہتیرا منع کیا تھا پھر ایک دن اسے دھکے مار کر گھر سے ہی نکال دیا تھا۔ وہ فلیٹ جس میں معاذ اور وہ رہتے تھے وہ بھی صائم نے دھوکے سے اپنے نام کروالیا تھا۔ اس کا پرسنل اکاؤنٹ تک خالی پڑا تھا وہ لقمے لقمے کی محتاج ہو کر رہ گئی تھی پھر اس نے اپنے تھوڑے سے کپڑے اٹھائے اور بس ممی پاپا کو چھوڑ کر یہاں آ گئی۔

کچھ بھی تھا معاذ اس سے محبت کرتا تھا۔ اس کی محبت پر اسے یقین تھا۔ بے یقینی کہیں نہ تھی صرف بے سروسامانی ہی تو تھی، معاذ سے مل کر سارے غموں سے چھٹکارے کی توقع تھی مگر وہ منہ پھیر کر کھڑا تھا نہ صائم کے گھر میں اس کے لیے جگہ تھی نہ معاذ کے دل میں اس کے لیے کچھ تھا۔ اسے فرح سے محبت تھی وہ اس کے بچے کی ماں جو تھی۔

پھر چچا مصطفیٰ نے ہی بیچ میں پڑ کر مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی تھی انہیں شیزا پر ترس آ گیا تھا مگر معاذ کی بے رخی نے شیزا کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ شائنہ چچی نے اپنے کمرے میں ہی اس کا بستر رکھوالیا تھا وہ کہاں جاتی اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا اور باہر کتنا اندھیرا ہے۔ اس کی آنکھیں بتاتی تھیں کہ اس کی بے قدری حد سے زیادہ ہو گئی تھی۔

حور جہاں نے سوچا اور اسے دیکھنے لگی جو بھوکی لگ رہی تھی۔ وہ اس کے لیے کھانا لینے چلی گئی تھی اب وہ کھانے میں کسی طرح کا نقص نہیں نکال سکتی تھی۔ معاذ اور فرح نے اب کھانا نہیں کھانا تھا اسے معلوم تھا اس لیے اس نے بہت سارا سالن، روٹیاں، رائتہ اور چاول کی بڑی پلیٹ اچھی طرح بھر کر اس کے سامنے لا رکھی تھی اور وہ بے خبر ہو کر جلدی جلدی کھانے لگی تھی۔ یہ شیزا ہے مگر بھوک سب سے بڑی حقیقت ہے، شیزا کی ہائی فائی سوسائٹی سے بھی بڑی۔

اس مسئلے کا حل جو بھی نکلے شیزا کی بھابی نے اسے حقیقتاً بھوکوں مارا تھا۔ شیزا کے والدین کو تو شیزا سے بے انتہا محبت تھی، اب کیا ہوا شاید وقت کے ساتھ ترجیحات کے ساتھ محبتیں بھی اپنا رخ بدل لیتی ہیں۔

حقیقت بہت تلخ ہے زہر سے بھی تلخ۔ کوئی اسے لینے نہیں آیا تھا۔ کسی نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھ کر آئی تھی اسی لیے ایسی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

سلمیٰ نے جو بویا تھا وہ ہی کاٹنے کا وقت آ چکا تھا ان کی آنکھوں میں اندھیرا ابھر چکا تھا۔ ایک غلط بیج بویا تھا وہ تناور درخت بن گیا تھا اور پھر اس کے ثمرات سمیٹتے جتنا درد ہو رہا تھا ایسے تو زخم



www.zemtime.com

ادھڑنے کا بھی نہ ہوتا ہوگا۔" یا اللہ میں نے غلطی کر دی، مجھے معاف فرما دے۔"

سلمٰی حسب توفیق اللہ سے معافی تلافی میں لگی رہتیں۔ یا پھر حور جہاں کا انتظار کیا کرتیں وہ بھول گئی تھیں کہ وہ ان کی سوتن کی اولاد ہے اپنا کیا ہر سلوک بھی۔

"شکر ہے کہ تم آ گئیں اور ڈاکٹر کے پاس لے گئیں، میرے کل سے سینے میں شدید درد تھا۔" وہ بار بار شکر ادا کر رہی تھیں۔ حور جہاں سے بے حد محبت سے پیش آتیں اور وہ ان کی کہی کوئی بات ٹالتی نہیں تھی مگر جب ارسلان انہیں ایسا کرتے دیکھ لیتا تب ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور وہ چپ رہ جاتیں۔

"تمہارے ڈرامے ختم نہیں ہوتے۔"

وہ دانت پر دانت جما کر کہتا اور وہ کانپنے لگ جاتیں پھر حور جہاں ہی اسے ٹوک دیتی اور وہ مان بھی لیتا۔ جاتے جاتے حور جہاں اسے بھی کچھ نہ کچھ تھماتا اور تسلی دینا نہ بھولتی تھی۔ جیسے جیسے سلمٰی حور جہاں سے پچھلے پرانے حساب چکتا کرنے میں لگی تھیں ویسے ویسے سزا بھی کم ہو رہی تھی۔ وہ سلمٰی کو بھی تسلی دیتی تھی کہ وقتی طور پر وہ ایسا رویہ رکھ رہا ہے آہستہ آہستہ سب بدل جائے گا نجانے کیوں سلمٰی کا دل اس کی باتوں پر یقین کرنا چاہتا تھا۔ ایک ڈراؤنا خواب تھا دھیرے دھیرے آنکھ کھل رہی تھی۔

شیزا باہر تخت پر بے وجہ اکیلی بیٹھی ہوئی تھی تخت کے اردگرد بے شمار خشک پتے بکھرے ہوئے تھے۔ جو ذرا سا قدم پڑنے پر ہی اپنا وجود کھو دیتے تھے صبح ہی صفائی کروائی مگر لگتا تھا کہ جھاڑو دی ہی نہیں وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

شیزا کی آنکھوں میں کچھ بھی نہیں تھا نہ ہی اس کے ہونٹ کچھ کہنا چاہتے تھے نجانے کیوں حور جہاں کو اس پر ترس آ گیا تھا۔ ایسی ہی کئی خزائیں اس نے بھی گزاری تھیں، کسی کے لیے وقت ایک جیسا نہیں رہتا اس کا وقت بدل گیا تھا۔ شیزا کسی بھی طرح وقت کے ساتھ ایڈجسٹ کر لے گی مگر پہلے زندگی کی طرف تو اسے آنا چاہیے۔ اسے گلزار سے دل لگانا چاہیے پھر آہستہ آہستہ معاذ کے دل میں بھی جگہ بنا ہی لے گی۔

فرح روایتی عورت نہیں تھی اس نے شیزا کے آنے کے باوجود کوئی تلخی اپنے چہرے پر آنے نہیں دی تھی۔ دل تک پہنچنے میں وقت لگتا ہے اور اترنے میں بس ذرا سا وقت۔

"شیزا! تمہارے لیے چائے بنا دوں۔" حور جہاں کو اس کی فکر تھی۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا، چوٹ روح پر پڑی تھی۔ آنکھیں بے نور تھیں مگر اس نے کچھ نہیں کہا بس ٹھنڈی چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتی رہی۔ وہ اسے دیکھتی رہی دیر تک۔

نور جہاں دھیرے دھیرے سورۃ فاتحہ پڑھ رہی تھی ابھی چار سال کی بھی نہیں تھی مگر اس کے لبوں سے پرنور آیتیں ایسے ادا ہو رہی تھیں کہ خود مصطفیٰ چچا حیران رہ گئے تھے۔ اس ننھی سی جان کو بھی اللہ سے جوڑ دیا، ڈھیر سارے سکھ چین کے زرد پتے ان پر گر گئے تھے۔

وہ وہی لڑکی تھی ہاں وہی، جس کو ان کے خیال میں نماز بھی نہ آتی ہوگی، کتنا چھوٹا سوچتے ہیں ہم جب اپنے سے کسی کمزور کو دیکھتے ہیں۔ لوگ ہماری سوچ کے برعکس بھی تو ہو سکتے ہیں یکسر مختلف، دور سے اسد اسے دیکھ کر مسکرایا تھا زندگی مکمل تھی اور کمی اس نے ڈھونڈی بھی نہیں۔

وہ خزاں میں ہنستے ہوئے اسد کی طرف جا رہی تھی وہ تو زرد رتوں کا چاند تھی پھر وہ بہار میں کیسے بدل گئی شاید صبر کی وجہ سے اور صبر کرنے والوں کے ساتھ یقیناً اللہ ہے۔

☆☆



www.zemtime.com